۴۸۶

مکالمۃ الصدرین

یعنی

وہ تاریخی معرکۃ الآرا معرکہ جو حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی

صدر آل انڈیا جمعیۃ العلمائے اسلام

اور

حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب صدر جمعیۃ العلمائے ہند و دیگر

اکابر جمعیۃ العلمائے ہند

کے درمیان یکم محرم ۱۳۶۵ھ مطابق ۶ دسمبر ۱۹۴۵ء کو بمقام دیوبند ہوا ،

مرتبہ

طاہر احمد القاسمی کان اللہ لہٗ رکن مجلس عاملہ آل انڈیا جمعیۃ العلمائے اسلام

پیش لفظ

۷ر دسمبر ۱۹۴۵ء

وہ معرکۃ الآراء مکالمہ جو اس وقت ناظرین کے ہاتھوں میں ہے فی الحقیقت تمام مسلمانوں کے لئے ایک شمع ہدایت ہے۔ جس سے بآسانی وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کا استقلال کس راستہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی جو اس وقت ہندوستان کے یگانہ روزگار علماء میں سے ہیں اور جو جماعت دیوبند کے مسلم اکابر میں سے ہیں ان کا تبحر علمی محتاج تشریح نہیں۔ تبحر علمی کیساتھ انکی سیاسی معلومات سونے پر سہاگہ ہے۔ حضرت علامہ عثمانی اور وفد جمعیۃ العلمائے ہند کے درمیان گفت و شنید کو احقر نے قلمبند کیا اور جہاں وضاحت کی ضرورت تھی وہاں قوسین میں عبارت کا اضافہ کر دیا تاکہ مکالمہ کی اصل عبارت میں امتیاز رہے۔ احقر نے مزید احتیاط یہ کی کہ حضرت علامہ عثمانی کو یہ تمام مکالمہ قلمبند کر کے حرفاً حرفاً دکھلایا اور حضرت ممدوح نے جہاں جہاں ترمیم یا اضافہ کی ضرورت سمجھی وہ فرمایا۔ اب یہ کہنا درست ہے کہ مکالمہ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کا مصدقہ ہے۔ خدا تعالیٰ اسکے ذریعہ سے سیاسی پیچیدگیوں میں الجھے ہوئے مسلمانوں کو صاف اور روشن راستہ دکھلائے اور مسلمان زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے قومی و سیاسی پلیٹ فارم کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کر کے دامے درمے قدمے سخنے ساعی ہوں۔ فقط طاہر احمد القاسمی

از آستانہ قاسمی دیوبند ۲۵ر دسمبر ۱۹۴۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکالمۃ الصدرین

گفت و شنید کی ابتدا کیسے ہوئی؟

غالباً یکم دسمبر ۱۹۴۵ء کو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلمائے ہند دہلی اپنی کسی ضرورت سے دیوبند تشریف لائے تھے۔ اسوقت وہ علامہ شبیر احمد صاحب کے دولتکدہ پر بھی بغرض عیادت و مزاج پرسی حاضر ہوئے۔ دوران مزاج پرسی میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے علامہ عثمانی سے فرمایا کہ ہمیں کچھ آپ سے حالات حاضرہ پر نیازمندانہ گذارشات کرنی ہیں۔ مسئلہ پر شرعی حیثیت تو ہم آپ سے کیا گفتگو کرتے۔ یہ درجہ تو ہمارا نہیں البتہ کچھ واقعات ایسے بیان کرنے ہیں جنکے متعلق ہمارا خیال ہے کہ شاید وہ آپ کے علم میں نہ آئے ہوں ممکن ہے کہ ان واقعات کو سن کر حضرت والا کی جو رائے قائم شدہ ہے۔ اسمیں تغیر ہو جائے۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں گفتگو کے لئے ہر وقت حاضر ہوں۔

جب دل چاہے تشریف لائیں۔ مولانا حفظ الرحمن صاحب نے فرمایا کہ اس گفتگو میں میرے ساتھی مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی (ناظم ندوۃ المصنفین دہلی برادرزادہ علامہ عثمانی) کوئی تیسرے صاحب جو مناسب شریک ہوں گے۔ اس کے بعد وہ ۵ دسمبر سنہ ۱۹۴۵ء کو مولانا حفظ الرحمن صاحب کا دہلی سے ایک خط بذریعہ ڈاک بنام علامہ عثمانی موصول ہوا جو بجنسہٖ درج ذیل ہے۔

مولانا حفظ الرحمن صاحب کا خط بنام حضرت علامہ عثمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از ندوۃ المصنفین دہلی۔ ۲۷ ذی الحجہ سنہ ۱۳۶۴ھ

ذوالمجد والکرم استاذی ادام اللہ فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج اقدس

کل دیوبند سے نو بجے صبح چل کر دہلی پہونچ گیا۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب سے شب میں گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ جمعیۃ العلماء ہند کی ایک خصوصی مجلس مشاورت وہ جمعرات کے روز دیوبند بلانا چاہتے ہیں۔ تاکہ جمعیۃ العلماء سے متعلق بعض اہم معاملات پر گفتگو ہو سکے۔ اس مشاورت میں غالباً حضرت مفتی صاحب (مولانا کفایت اللہ صاحب) اور مولانا احمد سعید صاحب بھی شرکت فرمائیں گے۔

میں نے اس معروضہ کے پیش نظر جو حضرت والا میں حاضر ہو کر پیش کیا تھا۔ اب یہ مناسب سمجھا کہ مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب اور میں جمعرات کو شب میں پہنچیں اور جمعہ کے دن گذارشات پیش کریں۔ اب میری یہ بھی سعی ہوگی۔ کہ اکابر جمعیۃ العلماء بھی اس گفتگو میں حصہ لیں۔ تو اکابر علمائے دیوبند کے سیاسی افکار تک پہنچنے میں انشاء اللہ بہت مدد ملے گی۔ اگر میری گذارشات منظور ہوگئیں۔ تو جمعہ کے دن آٹھ بجے یہ گفتگو آپ ہی کے دولتکدہ پر ہوجائے تو بہت بہتر۔ باقی اپنی مشاورت تو شب میں اور باقی دوسرے وقت میں بھی ہوسکتی ہے۔

خادم

محمد حفظ الرحمٰن کان اللہ لہٗ

۲۷، ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

اس پروگرام کے بموجب ۷، دسمبر ۱۹۴۵ء یوم جمعہ کو ساڑھے آٹھ بجے (۱) حضرت مولانا حسین احمد صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند (۲) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سابق صدر جمعیۃ العلمائے ہند (۳) حضرت مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند۔ (۴) مولانا حفظ الرحمٰن صاحب حال ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند

(۵) مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی (۶) مولانا عبد الحنان صاحب (۷) مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب۔ علامہ عثمانی کے دولت کدہ پر تشریف لائے۔ علامہ عثمانی نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ان حضرات سے ملے۔ کچھ دیر مزاج پرسی ہوتی رہی۔ عیادت کے بعد چند منٹ مجلس پر سکوت رہا۔ یہ خاموشی غالباً اسی لئے تھی کہ کون ابتدا کرے۔ اور کس نوعیت سے مسئلہ پر گفتگو کا آغاز ہو۔

چونکہ علامہ عثمانی کو ابتدا کرنا مقصود نہ تھا اور یہ حضرات از خود تشریف لائے تھے۔ اس لئے علامہ عثمانی بھی خاموش رہے۔ آخر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے مسائل حاضرہ پر گفتگو کی۔ ابتدائی اور ایک طویل لمبی تقریر فرمائی جو تقریباً پون گھنٹہ جاری رہی۔ علامہ عثمانی برابر اس تقریر کو بغور سنتے رہے۔ جب وہ تقریر فرما چکے۔ تو علامہ عثمانی نے فرمایا کہ مجھے پورے الفاظ اور اجزا تو آپ کی لمبی چوڑی گفتگو کے محفوظ نہیں۔ البتہ جو تلخیص میرے ذہن میں آئی ہے۔ اس کے جوابات بلحاظ ترتیب عرض کرونگا اگر کوئی ضروری بات رہ جائے تو آپ یاد دلا کر اس کا جواب مجھ سے لے سکتے ہیں۔

اس گفت و شنید کا سلسلہ سوا تین گھنٹے مسلسل جاری رہا اس مکالمہ میں سب سے زیادہ حصہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب

لیتے رہے اور دوسرے درجہ میں مولانا احمد سعید صاحب ان کے شریک رہے۔ کبھی کبھی اور صاحب بھی کچھ بول پڑتے تھے۔ لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے جو مزاج پرسی کے بعد سکوت اختیار فرمایا۔ وہ ختم مجلس تک ختم نہیں ہوا کسی موقعہ پر بھی ایک حرف نہیں بولے۔ علامہ عثمانی کو اس طویل سکوت پر خود حیرت تھی۔ وہ بحث میں تو کیا حصہ لیتے۔ اشارۃً کنایۃً بھی کسی موضوع پر اثباتاً یا نفیاً کسی طرح کا اظہار خیال نہیں فرمایا۔ آخر مجلس میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی کچھ بولے۔ جو تقریباً دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہ تھا۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر کا خلاصہ

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ کلکتہ میں جمعیۃ العلمائے اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایماء سے قائم ہوئی ہے۔ مولانا آزاد سبحانی جمعیۃ العلمائے اسلام کے سلسلہ میں دہلی آئے اور حکیم دلبر حسن صاحب کے ہاں قیام کیا۔ جن کی نسبت عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ سرکاری آدمی ہیں۔ مولانا آزاد سبحانی صاحب اسی قیام کے دوران میں پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک مسلمان اعلیٰ عہدہ دار سے

ملے جن کا نام بھی قدرے شبہ کیساتھ بتلایا گیا۔ اور مولانا آزاد نے خیال ظاہر کیا کہ جمعیۃ العلماء ہند کے اقتدار کو توڑنے کے لئے ایک علماء کی جمعیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ گفتگو کے بعد طے ہوا کہ گورنمنٹ انکو کافی امداد اس مقصد کیلئے دیگی۔ چنانچہ ایک بیش قرار رقم اسکے لئے منظور کر لی گئی۔ اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی صاحب کے حوالہ بھی کر دیگئی۔ اس روپیہ سے کلکتہ میں کام شروع کیا گیا۔ مولانا حفظ الرحمن صاحب نے کہا کہ یہ اسقدر یقینی روایت ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا آزاد سبحانی صاحب نے اس کے بعد کلکتہ میں جلسہ کیا جلسہ میں انھوں نے جو کچھ بکواس کی وہ آپ کے علم میں ہے۔ ان کی تلون مزاجی بھی سب کو معلوم ہے۔ ایک زمانہ میں وہ گاندھی جی کے ساتھ سایہ کی طرح رہتے تھے۔ پھر کچھ دنوں بعد ان کے خلاف ہو گئے۔

بہر حال اس مسلمان افسر کا تبادلہ ہو گیا۔ اور ایک ہندو اس کی جگہ آ گیا۔ جس نے گورنمنٹ کو ایک نوٹ لکھا۔ جس میں دکھلایا گیا کہ ایسے لوگوں یا انجمنوں پر حکومت کا روپیہ صرف ہونا بالکل بیکار ہے۔ اس پر آئندہ کے لئے امداد بند گئی۔ بس اس ضمن میں مولانا حفظ الرحمن صاحب نے کہا الیاس صاحب ....

رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو ابتداءً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہو گیا۔ اس کے بعد

مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے پاکستان کی صورت میں جو نقصانات ان کے نزدیک تھے وہ ذرا بسط کے ساتھ بیان کیے اور دکھلایا کہ مسلمانوں کے لئے نظریہ پاکستان سراسر مُضر ہے۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ نے کلام اس قدر طویل کر دیا ہے۔ کہ نمبر وار ہر ایک چیز کا جواب دینا مشکل ہے۔ میں جو کچھ یاد رکھ سکا ہوں ان کے جوابات دوں گا۔ اگر کسی چیز کو بھول جاؤں تو آپ مجھے یاد دلا کر جواب لے لیں۔

علامہ عثمانی کا جواب

پہلے میں اس معاملہ کی نسبت گفتگو شروع کرتا ہوں۔ جو آپ نے مولانا آزاد سبحانی کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ جو روایت آپ نے بیان کی میں نہ اس کی تصدیق کرتا ہوں نہ تکذیب۔ ممکن ہے آپ صحیح کہتے ہوں۔ مجھے اس سے پہلے ہی بذریعہ ایک گمنام خط کے جو دہلی سے ڈالا گیا تھا) یہی بتلایا گیا تھا اور مجھے بھی اس خط میں دھمکی دی گئی تھی۔ یہ روایت صحیح ہو یا غلط بہرحال میرے علم میں آ چکی ہے۔ لیکن اس روایت سے مجھ پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ اور میری رائے کیا متاثر ہو سکتی ہے۔ میں نے جو رائے پاکستان وغیرہ کے متعلق قائم

کی ہے وہ بالکل خلوص پر مبنی ہے جمعیۃ العلمائے اسلام میں آزاد سبحانی رہیں یا نہ رہیں خود جمعیۃ العلماء اسلام قائم رہے یا نہ رہے۔ میری رائے جب بھی یہی رہے گی کہ مسلمانوں کے لئے پاکستان مفید ہے۔ اگر میں تھوڑی دیر کے لئے اس روایت کو تسلیم بھی کر لوں کہ جمعیۃ العلماء اسلام گورنمنٹ کے امداد سے قائم ہوئی ہے۔ تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کانگریس کی ابتدا کس نے کی تھی اور کس طرح ہوئی تھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ ابتداءً اس کا قیام ایک وائسرائے کے اشارہ پر ہوا تھا (اور برسوں گورنمنٹ کی وفاداری کے راگ الاپتے رہی ہے مرتب) بہت سی چیزوں کی ابتدا غلط ہوتی ہے۔ مگر انجام میں لبا اوقات وہی چیز سنبھل جایا کرتی ہے ہم نے مولانا آزاد سبحانی یا جمعیۃ العلمائے اسلام کی وجہ سے مسلم لیگ کی تائید نہیں بلکہ دیانتاً یہ رائے قائم کی ہے کہ مسلمانوں کا ایک مرکز اور ایک پلیٹ فارم ہونا چاہئے۔ اور علمائے ملت کو اس کی پشت پناہی اور اصلاح میں جدوجہد کرنی چاہئے۔

عام دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی سیاسی جماعت یا تحریک کا مخالف ہو تو اسی قسم کی باتیں اس کے حق میں مشتہر کی جاتی ہیں۔

دیکھئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے

جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہیں تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے۔ مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گذرتا تھا۔ اب اسی طرح اگر حکومت مجھے یا کسی شخص کو استعمال کرے مگر اس کو یہ علم نہ ہو کہ اُسے استعمال کیا جارہا ہے تو ظاہر ہے وہ شرعاً اس میں ماخوذ نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد علامہ عثمانی نے اشارہ کرکے فرمایا کہ ان مولوی عتیق الرحمٰن صاحب سے آپ پوچھئے کہ معاملات دارالعلوم کے سلسلہ میں دیوبند کے بعض پارٹی باز اشخاص نے ان کے سامنے نہایت قطعی الفاظ میں کیا یہ نہیں کہا تھا کہ والسرائے کے دفتر میں ہم اپنی آنکھوں سے وہ چٹھی دیکھ کر آئے ہیں جس کے ذریعہ مولانا مدنی کو شبیر احمد عثمانی نے گرفتار کرایا ہے۔ (فلعنۃ اللہ علی الکاذبین)

لیکن میں پوچھتا ہوں کیا اس میں ذرا بھی اصلیت ہے لیکن اسپر مولوی عتیق الرحمٰن صاحب نے آنکھیں نیچی کرلیں اور خاموش ہو رہے۔ اس کے بعد علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ حضرات کے متعلق بھی عام طور پر مشہور کیا جاتا ہے کہ آپ ہندوؤں سے روپیہ لیکر کھا رہے ہیں کیا یہ صحیح چیزیں ہیں۔ اب ہمیں ان سب قصوں سے بالکل علیحدہ رہ کر غور کرنا چاہیئے کہ کونسا راستہ اختیار کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے

اور کس راستے میں ان کا نقصان، قطع نظر اس سے کہ وہ بات انگریز کے ایجنٹ کی زبان سے نکلے یا کوئی ہندو کا دلال کہے مرتب) لہٰذا اب میں مزید گفتگو سے پہلے تین چیزیں دریافت کرنا چاہتا ہوں؟

گفتگو کا محور

پہلی چیز دریافت طلب یہ ہے کہ (۱) جو فارمولا جمعیۃ العلمائے ہند نے پاکستان کا نعم البدل ظاہر کر کے ملک کے سامنے پیش کیا اور جس کا حوالہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی تقریر میں دیا ہے اس فارمولا کو آپ حضرات نے کانگریس سے منوا لیا ہے یا نہیں؟

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اس کا جواب نفی میں دیتے ہوئے کچھ اعذار بیان کیے۔ علامہ عثمانی صاحب کو چونکہ ان اعذار سے کچھ بحث نہیں تھی۔ اس لئے فرمایا کہ اعذار کچھ بھی ہوں میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا فارمولا کانگریس نے تسلیم کر لیا ہے یا نہیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ ہمارا یہ اصول نہیں ہے کہ ہم جنگ آزادی کی شرط کے طور پر ہندوؤں سے کوئی چیز منوا لیں۔

(۲) دوسری بات یہ معلوم کرنی ہے کہ آپ جو کچھ گفتگو اس وقت مجھ سے فرمانا چاہتے ہیں۔ وہ کس تقدیر پر ہے۔ آیا یہ فرض کرتے ہوئے کہ انگریز حکومت ہندوستان سے چلی گئی ہے۔ یا جا رہی ہے یا یہ مان کر ابھی

وہ موجود ہے اور سردست جا نہیں رہی گویا جو کچھ لینا ہے اسی سے لینا ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ انگریزی حکومت ابھی ہندوستان میں موجود ہے اس کی موجودگی تسلیم کرتے ہوئے جو کچھ لینا ہے اسی سے لینا ہوگا۔

(۳) تیسری بات دریافت طلب یہ ہے کہ آپ حضرات جو انقلاب چاہتے ہیں وہ فوجی انقلاب ہے یا آئینی۔ اس کا جواب دیا گیا کہ فوجی انقلاب کا تو اس وقت کوئی موقعہ ہی نہیں۔ نہ فی الحال اس کا امکان ہے۔ نہ اس کے وسائل مہیا ہیں۔ اس وقت تو آئینی انقلاب زیر بحث ہے۔

علّامہ عثمانی نے بحث کا رُخ معیّن کرالیا

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ بس اب بحث کا رُخ متعین ہوگیا اب کلام اسی پر رہے گا کہ سردست انگریزی حکومت کی موجودگی کے باوجود آئینی انقلاب میں کونسا راستہ مسلمانوں کے لئے مفید ہے آیا وہ راستہ جو جمعیۃ العلماء ہند نے تجویز کیا ہے۔ یا پاکستان کا راستہ جو مسلم لیگ اختیار کر رہی ہے۔

پاکستان کے نقصانات کا اظہار!

وفد جمعیۃ العلماء ہند کی طرف سے

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی طویل تقریر میں فرمایا کہ پاکستان قائم ہونے میں مسلمانوں کا سراسر نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے۔ بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت ۵۳ فیصدی ہے۔ فلاں صوبہ میں اس قدر فلاں میں اتنی۔ اور آسام میں اکثریت دوسروں کی ہے۔ ہر جگہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں غیر مسلم اقلیت اتنی زبردست ہے کہ مسلمان اس سے کسی طرح بھی عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے۔ اور بہت ہی تھوڑی اکثریت کچھ نہ کر سکے گی۔ بلکہ ہمیشہ معرض خطر میں رہے گی۔

ادھر مسٹر جناح یہ کہہ ہی چکے ہیں کہ پاکستان میں جمہوری طرز کی حکومت ہوگی ایسی شکل میں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو پاکستان سے کوئی بھی فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ تنظیم۔ دولت اور تعلیم وغیرہ میں پست ہونے کی وجہ سے ترپن فیصدی مسلمانوں کی اکثریت سینتالیس فیصدی غیر مسلم اقلیت ہی کے عملاً تابع و محکوم رہے گی۔ سکھ نہایت جنگجو قوم ہے۔ وہ کسی طرح بھی پاکستان قائم نہ رہنے دیگی۔ ادھر جاٹوں کی قوم ہے وہ بھی مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دیگی۔

پاکستان ہر صوبہ کا جدا جدا بنے گا یا تمام مسلم صوبوں کا پاکستان ایک ہوگا۔

اس موقعہ پر علامہ عثمانی نے پوچھا کہ کیا آپ کے نزدیک پاکستان کو قائم کرنے والے صوبہ وار جدا پاکستان بنانا چاہتے ہیں۔ یا تمام مسلم اکثریت والے صوبوں کا ایک پاکستان مطلوب ہے۔ جواب دیا گیا نہیں۔ پاکستان تو ایک ہی بنانا چاہتے ہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا تب صوبجاتی اعداد کی گفتگو اس موقع پر بیکار ہے۔

جمعیۃ العلماء اور مسلم لیگ کے فارمولا کے جدا جدا نتائج

مولانا عثمانی نے فرمایا تو اس وقت ہم کو پاکستان کی مرکزی حکومت میں یہ دیکھنا چاہیے کہ مسلم اور غیر مسلم آبادی میں کیا تناسب ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی طرف سے کہا گیا کہ پاکستان میں مجموعی تعداد مسلمانوں کی چھ کروڑ ہوگی۔ اور غیر مسلم تین کروڑ ہوں گے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ تعداد غلط ہے۔ مجموعہ میں مسلمان تقریباً سوا سات کروڑ ہیں لیکن ہم سات کروڑ تسلیم کئے لیتے ہیں۔ اور غیر مسلم جو تین کروڑ سے کم ہیں ان کو پورے تین کروڑ کر لیا جائے۔ اس تعداد سے سات اور تین کی نسبت مسلم و غیر مسلم کے درمیان ہوگی۔ اور مجموعہ آبادی میں آپ کے فرمانے کے مطابق ساٹھ اور چالیس کی نسبت ہوگی۔ یعنی مسلمان ساٹھ فیصدی

اور غیر مسلم چالیس فیصدی ہونگے (حالانکہ اس صورت میں مجموعہ مسلمان واقعتًا ستر فیصدی اور غیر مسلم تیس فیصدی ہوتے ہیں۔

حضرت علامہ کا مسکت حقیقت افروز جواب

اور

وفد جمعیۃ العلماء کی لاجوابی

مگر علامہ عثمانی نے اس وقت اس سے بھی اغماض کر کے اور ان کے ہی بیان کردہ تناسب کو صحیح مان کر اس پر کلام فرمایا۔ آپ نے کہا کہ اب اپنے فارمولا پر نظر ڈالئے۔ کہ اس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا مرکزی حکومت میں کیا تناسب رہتا ہے۔ تو آپ کے فارمولا کی رو سے مرکز میں چالیس مسلمان ہوں گے اور چالیس ہندو اور بیس صدی میں دیگر اقلیتیں ہوں گی۔ اس طرح سے آپ کے فارمولا کے لحاظ سے غیر مسلموں کی تعداد ساٹھ فیصدی اور مسلمانوں کی تعداد چالیس فیصدی ہوئی اور مسلم لیگ کے فارمولا میں (بقول آپکے یہی نسبت علی العکس ہوگی یعنی) ساٹھ فیصدی مسلمان اور چالیس فیصدی غیر مسلم ہونگے حالانکہ حقیقی تناسب پاکستانی فارمولا میں ۷۰ فیصدی اور ۳۰ فیصدی کا ہوتا ہے۔ اب آپ ہی انصاف سے فرمایئے کہ آپ کے اس فارمولا سے مسلمانوں

کو کیا فائدہ پہنچا۔ ہم اگر ساٹھ فیصدی رہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرسکے تو چالیس فیصدی کیا کرسکیں گے)

نوٹ۔ جمعیۃ العلماء کے فارمولا میں یہ بھی مندرج ہے کہ خالص اسلامی مسائل میں دو تہائی مسلمان اگر کسی چیز کے مخالف ہونگے۔ تو وہ چیز مسلمانوں کے لیے قبول نہیں کیجائیگی۔ اس شرط سے کسی درجہ میں مضر امور کا تدارک تو ہو سکتا ہے لیکن خاص مسلمانوں کے حق میں جو ضروری یا مفید امور ہیں۔ انکے خاطر خواہ حاصل ہونے کی کوئی تدبیر نہیں کیونکہ مرکز میں مسلم تعداد چالیس اور غیر مسلم تعداد ساٹھ فیصدی ہوگی۔ پس تمام تجاویز غیر مسلم اکثریت کی رحم و کرم رہیں گی۔ اور یہ معاملہ بھی خالص اسلامی مسئلہ کون سا ہے۔ اکثریت ہی طے کریگی۔

اس موقعہ پر کہا گیا کہ عیسائی ہمارے ساتھ ہو جائینگے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ جب پاکستان کا فارمولا سامنے آتا ہے تو عیسائی مسلمانوں سے علیحدہ غیر مسلم بلاک میں شمار کیے جاتے ہیں اور جب جمعیۃ العلماء ہند کا (مقدس) فارمولا پیش کیا جاتا ہے تو وہی عیسائی (گویا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ اور) مسلمانوں کے سائیڈ میں شمار کیے جانے لگتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ غیر مسلم سب کے سب بہر صورت ایک ہی شمار ہونگے۔ (الکفر ملۃ واحدۃ) اور خالص مسلمانوں کو ان سب کے مقابل رکھ کر مسئلہ پر غور کرنا چاہیے۔ وفد جمعیۃ العلماء نے

آخر کار اس کو تسلیم کر لیا۔

اگر پاکستان ہندو کیلئے مفید ہے تو وہ اسکی مخالفت کیلئے اسقدر مضطرب کیوں ہے

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپکا یہ دعوی کہ پاکستان قائم ہونے میں سراسر مسلمانوں کا نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے۔ اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ ہندو پاکستان سے پھر کیوں اسدرجہ مضطرب مخالف اور اسکی انتہائی مخالفت پر تلا ہوا ہے۔ کیا آپ باور کر سکتے ہیں کہ ہندو پاکستان کی مخالفت اس لیے کر رہا ہے کہ اس میں مسلمانوں کا نقصان ہے۔ اور وہ کسی طرح بھی مسلمانوں کا نقصان دیکھنے کو تیار نہیں انکا تو اعلان یہ ہے کہ جو جماعت یا جو شخص بھی پاکستان اور مسلم لیگ کیخلاف کھڑا ہوگا کانگریس اس کی ہر طرح امداد کرے گی۔

اس وعدہ کا تعلق کسی خاص شخص سے نہیں کانگریس کے پورے ادارے سے ہے۔ اور ان کا قول ہے۔ پاکستان ہماری لاشوں پر ہی بن سکتا ہے وغیرہ وغیرہ آخر یہ پرزور اور انتہائی مخالفت کیوں ہے اسکے جواب میں مولانا حفظ الرحمن صاحب نے فرمایا کہ ان کی کوئی مصلحت ہوگی۔ لیکن اس کا کوئی معقول جواب نہیں دیا گیا اور بار بار اس پہلو سے گریز کیا جاتا رہا۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اسکی جو کچھ بھی مصلحت ہو آخر آپ حضرات نے بھی کچھ غور کیا کہ وہ مصلحت کیا ہو سکتی ہے۔

میرے نزدیک تو اسکی مخالفت کی وجہ بجز اسکے کچھ نہیں کہ انگریزی حکومت تو سر دست اور یہ قائم ہے۔ جیسے آپ خود شروع میں تسلیم کر چکے ہیں ہندو یہ چاہتا ہے کہ انگریزی حکومت کے زیر سایہ دس کروڑ مسلمانوں میں ایک شخص کی گردن پر سے بھی ہندو اکثریت کا جوا کبھی اور کہیں اترنے نہ پائے۔ اور اسطرح مسلمان ہمیشہ انگریز اور ہندو کی ڈبل غلامی میں باختیار خود پستے رہیں۔ علامہ عثمانی نے کئی بار اس چیز کو ان لوگوں سے پوچھا مگر ادھر سے کوئی شافی جواب ہاتھ نہ آیا۔ اسکے بعد جمعیۃ العلماء ہند کے وفد کیطرف سے کہا گیا کہ اچھا اگر پاکستان بن جائے تو تین کروڑ کی مسلم اقلیت ہندو صوبوں میں رہیگی۔ اس کی حفاظت کا کیا انتظام ہوگا۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ ان کے لیے معاہدات ہوں گے ان ہی معاہدات کے تحت مسلم اقلیت ہمارے یہاں رہے گی اور ہر ایک کا ہاتھ دوسرے کے تلے دبا رہے گا۔ آخر اکھنڈ ہندوستان میں دس کروڑ مسلمانوں کی حفاظت کس طرح ہوگی۔ اس کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اور مولانا احمد سعید صاحب نے موضوع گفتگو بدل کر کہا۔

علی گڑھ کالج پر اتہام

اجی حضرت یہ علیگڈھ کے نیچری علماء کے وقار کے دشمن ہیں یہ لوگ

مسلمانوں کے رہنما بن گئے تو دین کو برباد کر دینگے۔ علماء کو مٹا دینگے۔ اسی سلسلہ میں ان بدتمیزیوں کا بھی ذکر کیا گیا جو بعض مقامات میں مولانا حسین احمد صاحب کیساتھ کی گئی تھیں۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی کہا کہ مسلم لیگ راجاؤں، نوابوں، خطاب یافتہ لوگوں کی جماعت ہے۔ سر فیروز خاں نون کے متعلق فرمایا کہ وہ حکومت کے اشارہ سے مستعفی ہو کر مسلم لیگ میں داخل ہوئے ہیں۔ اور وہ کھلے طور پر سرکاری آدمی ہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ سر فیروز خاں نون کے متعلق میں بحث نہیں کرتا۔ آپ جو چاہیں کہیں۔ لیکن مسٹر جناح کے متعلق کبھی میرا گمان یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ سرکاری آدمی ہیں یا وہ کسی دباؤ یا لالچ میں آسکتے ہیں۔ یا کسی قیمت پر خریدے جا سکتے ہیں۔

مولانا احمد سعید صاحب کے اس کہنے پر کہ علی گڑھ کے تعلیمیافتہ اور دوسرے بعض فرنگی علماء کا اقتدار مٹانا اور دین کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ علامہ عثمانی نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو مشکلات ہوئیں۔ ان کا حل آپ کے ذہن میں کیا ہے وہ بھی تو فرمائیے۔ اس پر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اور کچھ خاموشی سی طاری ہو گئی۔ پھر وفد کی طرف سے کہا گیا کہ حضرت آپ ہی فرمائیں کیا حل ہے۔ حضرت علامہ نے فرمایا یہ خوب رہی مشکلات تو بیان فرمائیں آپ اور حل بتلاؤں میں۔ آخر آپ نے بھی تو کچھ اس کا حل سوچا ہوگا۔

علماء کی مشکلات کا حل علامہ عثمانی کی طرف سے

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اچھا لیجئے میں ہی اس کا حل عرض کرتا ہوں۔

میرے نزدیک اس کا حل صرف ایک ہے اور وہ یہ تھا کہ آپ سب حضرات ملکر مسلم لیگ میں داخل ہو جائیں اور داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیں اور ایک دو مہینے دورہ کر کے تین چار لاکھ دو آنے والے ممبر مسلم لیگ کے بھرتی کرائیں جب بخیال ممبران کی اتنی بھاری تعداد مسلم لیگ میں داخل ہو جائے گی تو پھر ہم عوام کے ذریعہ سے جو مفید صورت مسلمانوں کے لئے ہوگی بہ آسانی بروئے کار لا سکیں گے۔ میں اسکے لئے تیار ہوں کہ آپ حضرات کے ساتھ ملکر اس کام میں حصہ لوں۔ کیا ہمارا اثر عوام پر اتنا بھی نہیں کہ ہم دو چار لاکھ ممبران بھرتی کرا سکیں۔ میں اسکے لئے تیار ہوں کہ آپ حضرات کے ساتھ مل کر اس کام میں حصہ لوں۔ میرے نزدیک تو اصلاح کی یہی بہترین شکل ہے۔ اس پر مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا یہ تو صحیح لیکن جب ہم لوگ ایسا کرینگے تو راجے، مہاراجے، نواب اور سر مسلم لیگ سے علیحدہ ہو کر دوسری مسلم لیگ بنا لیں گے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اگر وہ نئی مسلم لیگ بنا لیں گے تو تو اس سے کیا ہوگا طاقت تو ہمارے ہی ساتھ رہے گی

(سر شفیع مرحوم نے بھی تو ایک زمانہ میں شفیع لیگ بنائی تھی۔ لیکن اس کا کیا حشر ہوا۔ جب شفیع صاحب رحلت کر گئے ان ہی کیساتھ ان کی لیگ بھی ختم ہو گئی اور رابطۂ عوام وہ کبھی بھی پیدا نہ کر سکے)

رہا ان بدتمیزیوں کا قصہ جو آپکے ساتھ ہوئیں۔ اسکے متعلق آپکو معلوم ہے کہ میں نے جو پیغام جمعیۃ العلمائے اسلام کے اجلاس کلکتہ کے موقع پر بھیجا تھا۔ اس میں صاف طور سے لکھ دیا تھا کہ یہ پہلے درجے

کی شقاوت وحماقت ہے کہ قائدِ اعظم کو کافرِ اعظم کہا جائے یا مولانا
حسین احمد وغیرہ کے ساتھ کوئی ناشائستہ سلوک کیا جائے۔

انگریزی خواں طلباء کی شکایت کرنے سے پہلے

طلباء دارالعلوم دیوبند کی اصلاح کیجئے!

اس موقع پر مجھے ایک بات کہنی پڑتی ہے وہ یہ کہ جن انگریزی خواں طلباء کے رویہ کی آپ شکایت فرما رہے ہیں وہ نہ تو آپ کے مرید ہیں نہ شاگرد۔ نہ انھوں نے کسی دینی ماحول میں تربیت پائی ہے (اور سمجھتے یہ ہیں کہ آپ مسلم قوم کو ہندوؤں کی دائمی غلامی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں) اس کے بالمقابل جو عربی مدارس کے طلباء آپ کے شاگرد آپ کے مرید اور دینی ماحول بلکہ مرکزِ دین و اخلاق میں تربیت پانے والے ہیں ذرا ادھر بھی تو دیکھیے کہ انھوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کئے جن میں ہم کو ابوجہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا۔ آپ حضرات نے اس کا کوئی تدارک کیا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ اسوقت دارالعلوم کے تمام مدرسین مہتمم اور مفتی سمیت (باستثناء ایک دو کے) بالواسطہ یا بلا واسطہ مجھ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے۔ دارالعلوم کے

طلباء نے میرے قتل تک کے حلف اٹھائے اور وہ مخش اور گندے مضامین میرے دروازہ پر پھینکے کہ اگر ہماری ماں بہنوں کی نظر پڑ جائے تو ہماری آنکھیں شرم سے جھک جائیں۔ کیا آپ میں سے کسی نے بھی اس پر ملامت کا کوئی جملہ کہا بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ بہت سے لوگ اس کمینہ حرکات پر خوش ہوتے تھے۔ "حریت" اخبار دہلی آج کل جو میری ذاتیات پر نہایت رکیک مضامین لکھ رہا ہے کیا آپ حضرات میں سے کسی نے اس پر بیزاری کا اظہار کیا۔ اس پر سب کی آنکھیں شرم سے جھکی ہوئی تھیں۔ مولانا احمد سعید صاحب نے اتنا فرمایا کہ اجی حضرت عزیز حسن بقائی تو ہمیشہ اسی قسم کی بیہودہ بکواس کیا کرتا ہے کیا آپ کو معلوم نہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا اسوقت تو وہ آپ کی حمایت اور ہمنوائی میں سب کچھ کہہ رہا ہے۔ گو مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ایک زمانہ میں اس نے آپ صاحبان کو بھی بری طرح مجروح کیا تھا۔ لیکن دکھلانا صرف یہ ہے کہ آپ حضرات نے کبھی اس قسم کی چیزوں سے جو ہمارے متعلق کہی گئیں اظہار بیزاری نہیں کی نہ کسی پر ملامت کی۔ ہم نے تو یہ کیا کہ موقع ملنے پر ایسے امور سے پوری قوت کے ساتھ اظہار بیزاری کرتے رہے۔

فرق عمل

محلہ کسرول مراد آباد کے ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ کیا مولانا حسین احمد صاحب اور مفتی کفایت اللہ صاحب آپ کے نزدیک محض

ذاتی مفاد کے لئے ہندوؤں کا ساتھ دیتے ہیں یا ان کا اتباع بے دینی اور کفر ہے یا وہ اپنے استاد کے مسلک سے ہٹ گئے ہیں؟ میں نے جواب میں لکھا کہ میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ نہیں آسکتا کہ یہ حضرات محض ذاتی مفاد کے لیے ایسا کریں۔ وہ اپنے نزدیک جو حق سمجھتے ہیں کر رہے ہیں اور اسی کو اپنے استاد کا مسلک سمجھتے ہیں۔ باقی یہ لازم نہیں کہ جو ان کا خیال ہے وہ واقع میں صحیح ہو نہ ان کی تقلید دوسروں پر واجب ہے۔ امور مذکورہ کا تذکرہ میں نے اس لئے نہیں کیا کہ مجھے کوئی انتقام لینا مقصود ہے۔ میں تو بہر صورت ایسے امور کو برا سمجھتا ہوں دکھلانا صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنے بساط کے موافق اس قسم کے امور کو رد کرنے کی ہمیشہ سعی کی۔

مولانا مدنی کا پاکستان کیخلاف ایک استدلال اور علامہ عثمانی کی طرف سے اس کا مسکت جواب

آخر گفتگو میں مولانا حسین احمد صاحب نے اپنی جیب سے دو تین کالم کا ایک مضمون نکال کر تقریباً آٹھ دس منٹ تک پڑھ کر سنایا۔ یہ مضمون ایک انگریز کی تجویز اور رائے پر مشتمل تھا۔ جس میں اس نے ہندوستان کی سیاسیات پر بحث کرتے ہوئے حکومت برطانیہ کو ایک حل بتلایا تھا۔ اس مضمون میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اور بمبئی کے بجائے کراچی کو تجارت

کامرکز بنایا جائے۔ گویا اس مضمون کو سنانے کی غرض یہ تھی کہ مسلم لیگ نے جو نظریہ پاکستان پیش کیا ہے وہ اس انگریز کی تجویز پر مبنی ہے۔ اور مسلم لیگ انگریزوں کے اشارے پر چلنے والی جماعت ہے۔

اسی دوران میں مولانا احمد سعید کا ایک سوال اور اسکا جواب

مولانا احمد سعید صاحب نے سوال کیا کہ انگریز کی پالیسی ٹکڑے کرنے کی ہے یا جمع کرنے کی۔ یعنی اس کا فائدہ کس جانب میں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ ہم جو فاردقی حکومت چاہتے ہیں انگریز کے لئے مہلک ہے۔ اور آپ جو تقسیم ہند چاہتے ہیں یہ صورت حکومت کے لئے مفید نہیں ہے۔ علامہ عثمانی نے ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک آپکے سوال کا ایک جواب نہیں ہو سکتا۔ یعنی آپ کے سوال کے جواب میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انگریز کا فائدہ ہمیشہ ٹکڑے کرنے میں ہے یا نہیں میرا جواب یہ ہے کہ کبھی انگریز کا فائدہ ٹکڑے کرنے میں اور کبھی جمع کرنے میں ہوتا ہے۔

چنانچہ اسکی ایک حالیہ نظیر ملاحظہ فرمائیے۔ برطانیہ نے ٹرکی اور عرب کے ٹکڑے ٹکڑے کیے۔ عراق۔ شام و لبنان۔ نجد۔ یمن سب کو علیحدہ حصوں میں منقسم کر دیا۔ ایک وقت میں پالیسی یہ تھی کہ اب جو عرب لیگ قائم ہو رہی ہے جس میں تمام عربوں میں روس کے خطرہ سے متحد کرنا۔ اور ان سب کا ایک بلاک بنانا

چاہتا ہے کیا یہ بھی آپ کے نزدیک انگریز کے اشارہ سے نہیں ہو رہا جس کا منشاء یہ ہے کہ تمام عرب ممالک کی ایک آہنی دیوار بنا دی جائے۔ اس کو وفد نے تسلیم کیا کہ بیشک۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ پھر یہ کہنا صحیح نہیں کہ انگریز کی پالیسی ٹکڑے کرنا ہے معلوم ہوا کہ کبھی اس کی پالیسی جمع کرنے کی بھی ہوتی ہے۔ اب ہمیں تو یہ سوچنا چاہیئے کہ ہمارا فائدہ کس صورت میں ہے خواہ انگریزی حکومت کا فائدہ ہو یا نقصان ظاہر ہے کہ ہندو یا مسلمان کسی کے مقابلہ میں بھی گورنمنٹ اپنے مفاد کو بہ اختیار خود نظر انداز نہیں کر سکتی۔

نظریہ پاکستان کانگریس اور حکومت دونوں کے نظریئے کے مخالف ہے

اس کے بعد علامہ عثمانی نے فرمایا کہ مولانا حسین احمد صاحب نے جو ایک انگریز کا مضمون پڑھ کر سنایا یہ ایک انگریز کی شخصی رائے اور تجویز ہے۔ جو اب سے چودہ برس پہلے اسے پیش کی گئی تھی۔ لیکن حکومت برطانیہ کا سب سے بڑا نمائندہ وائسرائے ہند لارڈ ویول جو ہندوستان پر اسوقت حکمراں ہے۔ اس نے اپنی تقریروں میں برملا یہ کہا ہے کہ اس ملک کا مرکز اور اسکی حکومت ایک ہی رہنی چاہیئے اس ملک پر کوئی بڑا عمل جراحی نہیں ہو سکتا۔ پہلی مرتبہ یہ تقریر کلکتہ کامرس چیمبر میں کی۔ دوسری مرتبہ لیجسلیچر میں یہی مضمون ادا کیا۔ اور بھی دو تین

اہ ہوئے کہ راولپنڈی کے دربار میں لارڈ ویول نے یہی کہا اس ملک کی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ اس سے پہلے سابق وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو نے بھی سنہ ۱۹۴۲ء میں اسی قسم کی تقریر کی تھی۔ اب آپ حضرات غور فرمائیں کہ آج وائسرائے کے نظریہ سے حمایت کانگریس کر رہی ہے یا مسلم لیگ؟

مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ ابھی حضرت یہ تو انگریزوں کی چالیں ہیں کہتے تو کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اس انگریزی تجویز میں کبھی تو یہی احتمال ہوسکتا ہے۔ لیکن حجت کے درجہ میں تو سب سے بڑے ذمہ دار ہی کا قول ہم پیش کرسکتے ہیں۔

پاکستان کے قیام پر مولانا مدنی کا ایک اشکال اور اسکا شافی جواب

اسی سلسلہ میں مولانا حسین احمد صاحب نے فرمایا کہ اچھا اگر پاکستان قائم ہوگیا تو ہندوستان کا دفاع کیسے ہوگا۔ روس نے اگر حملہ کردیا تو سرحد کے مسلمان بچارے پس جائینگے سارا بوجھ انہیں پر پڑ جائے گا۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ تو آپ ان ہی چلیے کہ انگریز ابھی یہاں موجود ہے۔ سردست اگر پاکستان بنایا گیا تو وہی بنائے گا۔ سرحدوں کی حفاظت کی بھی کوئی صورت ضرور نکالیگا اور اسکے چلے جانے کی صورت میں بیرونی قوت ہندوستان پر چڑھائی کرے گی تو دونوں متفقہ ملکر اسکی مدافعت کرینگے اور ہر ایک دوسرے کی آدمی سامان اسلحہ اور روپے سے مدد کرے گا کیونکہ یہ سب کا مشترکہ مفاد ہوگا۔ ایسا نہیں کریگے تو

سب کا نقصان ہے۔ اس قسم کے دفاع کے کام باہمی معاہدات سے انجام پائینگے۔ مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا حضرت معاہدوں کو آجکل کون پوچھتا ہے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ جب بلا معاہدہ آپ سب کچھ کرنے کو تیار ہیں تو معاہدہ کی صورت تو بہرحال اس سے قوی تر ہونی چاہئے۔

جمعیۃ العلما کی دفاعی طرز حکومت کی تائید کا خیال احتیاج ہنود پر مبنی ہے،

پھر آپکی تقریر کا حاصل تو یہ ہوا کہ ہم کسی حالت اور کسی وقت میں بھی ہندوؤں کی احتیاج سے باہر نہیں ہو سکتے اور نہ ان کے بدون کبھی کوئی کام کر سکتے ہیں یہ بات کم از کم شیر بہادروں کو زیبا نہیں دیتی جو کہتے ہیں کہ ذرا انگریز سے آزادی مل جائے پھر ہم ہندو وغیرہ کسی سے نہیں، نیز آپ دیکھتے ہیں کہ معاہدات ہی طاقت تھی کہ روس اور برطانیہ نے ملکر جرمن اور جاپان کو کس طرح پیس ڈالا کیونکہ تینوں کی غرض مشترک تھی۔ پاکستان اور ہندوستان کا مفاد جب مشترک ہوگا تو دونوں بذریعہ معاہدات عملی اتحاد کیوں نہیں کر سکتے (گو قومی اتحاد نہ ہو نہ سہی)

موجودہ الیکشن میں علامہ عثمانی کی حمایت لیگ کی کیا وجہ ہے،

اس موقع پر مفتی عتیق الرحمن صاحب نے علامہ عثمانی سے کہا آپ تو ہمیشہ سیاسیات سے یکسو رہا کرتے تھے۔ اس الیکشن میں کیا داعیہ ایسا پیش آیا جس کی وجہ سے آپ نے شرکت فرمائی؟ حضرت علامہ نے ارشاد فرمایا کہ اس الیکشن کی نوعیت پچھلے الیکشنوں سے بالکل مختلف ہے، حکومت کے

صاف لفظوں میں اس کا اعلان کر دیا ہے کہ اس مرتبہ منتخب ہونیوالی اسمبلیاں ہی آئندہ ہندوستان کا مستقل دستور بنائینگی۔ چونکہ اس الیکشن سے قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ وابستہ تھا۔ اس بناء پر میں نے ضروری سمجھا کہ اس بنیادی موقع پر ان مسلمانوں کی مدد کیجائے جو استقلال ملت اور مسلم حق خود ارادیت کے حامی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ آپ نے یہ کیا کہا کہ میں سیاسیات سے ہمیشہ علیحدہ رہا ہوں۔ گذشتہ چند سالوں کو چھوڑ دیجیے اس سے پیشتر جمعیۃ العلماء ہند میں ہماری بھی تو کچھ ناچیز خدمات رہی ہیں ہم نے بھی تو معرکے سر کئے ہیں۔ ادھر آپ حضرات طوفانی دورہ کر رہے تھے جس سے میرے نزدیک مسلمانوں کا نقصان تھا تو ظاہر تھا کہ ایسے موقع پر میں سکوت کیسے باقی رکھ سکتا تھا۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است   اگر خاموش بنشینم گناہ است

ان وجوہ سے میں نے مسلم لیگ کی حمایت کی (پھر علامہ عثمانی نے یکایک کوئی اعلان نہیں فرمایا بلکہ مہینوں پاکستان کے نظریئے پر شرعی و سیاسی حیثیت سے انتہائی غور و تحقیق کیا تب کلکتہ کے اجلاس کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کو اپنا پیغام بھیجا تو استخارہ بھی فرمایا۔ کمل بصیرت اور شرح صدر کے بعد یہ اقدام فرمایا گیا مرتب) اسکے بعد علامہ عثمانی نے فرمایا کہ پھر میرا اثر ہی کیا ہے۔ ہندوستان میں اگر میری اپیل پہ بجائے نوابزادہ لیاقت علیخاں کو دس بیس ووٹ مل ہی گئے تو کیا ہوا آپ حضرات تو ماشاء اللہ باثر ہیں۔

(موجودہ پروپگنڈہ کی طاقتیں آپکے ساتھ ہیں.) میں تو آپ میں ایک اچھوت کی حیثیت رکھتا ہوں. کسی نے کہا نہیں یہ بات نہیں آپکے اعلانات نے ملک میں ہلچل ڈالدی ہے.

علامہ عثمانی سے سکوت کی درخواست

مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ بہرحال یہ اختلافی مسئلہ ہے. اسمیں احتمال خطا کا دونوں طرف ہے مگر آپ تو اس قوت سے بیانات دے رہے ہیں کہ اپنے مخالفوں کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑتے. ذرا کچھ تو نرمی اختیار فرمائیں. علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ حضرات تو ماشاء اللہ سب اہل علم ہیں. آپکو معلوم ہے کہ جب احناف و شوافع وغیرہ کے باہمی اختلافی مسائل کی تقریریں آپ اور ہم کرتے ہیں. تو باوجودیکہ سب ائمہ ہدیٰ ہیں لیکن ہم سے کون اپنے مذہب کی تصویب و تائید میں کسر اٹھا رکھتا ہے. اور حنفی مذہب کو ترجیح دیتے ہوئے شافعی یا مالک یا احمد کیلئے اپنے زعم میں کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑتا ہے. اسپر سب ہنسنے لگے. علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں میرا تو وہی خیال ہے جو فقہائے کرام نے مسئلہ کے عقیدے کی نسبت لکھا ہے کہ اپنا امام جو مسئلہ بیان کرے اسکی نسبت یہ اعتقاد رکھے صواب محتمل للخطا یعنی جو ہمارے امام نے مسئلہ بیان کیا وہ صحیح اور درست ہے. ہاں اسمیں خطا کا بھی احتمال ہے اور دوسرے امام نے جو کہا خطا محتمل الصواب یعنی) وہ خطا ہے اسمیں احتمال ثواب کا بھی قائم ہے کیونکہ معصوم ان میں سے

کوئی نہیں۔ آخر میں مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ جمعیۃ العلماء اسلام محض ہماری جمعیۃ کے مقابلہ میں اسکو توڑنے کیلئے قائم کیگئی ہے مناسب ہوگا کہ آپ کم از کم اسکی صدارت قبول نہ فرمائیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں نے ابھی صدارت کے قبول و عدم قبول کی نسبت فیصلہ نہیں کیا ہے، لیکن کل کے لئے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کیا کروں گا۔ نوٹ: لیکن اسکے بعد علامہ عثمانی نے کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کے ناظم کے تار کے جواب میں باضابطہ صدارت کی منظوری کا تار روانہ فرمادیا۔ (فللہ الحمد۔ مرتب)

جب یہ حضرات علامہ عثمانی سے رخصت ہونے لگے، مولانا احمد سعید صاحب نے دریافت فرمایا کہ آپکو حضور نظام نے حیدرآباد بھی تو بلایا تھا۔ آپ حیدرآباد کب تشریف لیجائینگے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں نے حضور نظام کو لکھا ہے کہ ابھی دو تین ماہ تک مجھے یہاں بغرض علاج قیام کرنا ہے۔ سردی کم ہونیپر اگر اجازت ہو تو حیدرآباد آؤں۔ اب حضور نظام پر موقوف ہے کہ اگر اسکے باوجود انھوں نے مجھے طلب فرمایا تو مجھ کو بہر حال جانا پڑے گا۔ اور اگر اجازت دیدی تو ٹھہر جاؤں گا۔

(الحمد للہ اس تحریر کے مرتب کرتے وقت ہی حضور نظام کے چیف سکرٹری کا تار بنام علامہ عثمانی پہنچ گیا۔ کہ آپ کو فروری تک قیام کی اجازت ہے۔ مرتب)

چلتے چلتے وفد کا منشاء یہ معلوم ہوتا تھا کہ جو تحریرات آپکی شائع ہو چکی ہیں وہ بیان مسئلہ کے لئے کافی ہیں۔ اب اگر یکسوئی اختیار کر لیجائے تو کیا بہتر نہ ہوگا۔ لیکن علامہ عثمانی نے فرمایا کہ جس چیز کو حق سمجھتا ہوں ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں میرے لئے سکوت کیسے مناسب ہے؟ اس کے بعد وفد رخصت ہو گیا۔ یہ

تمام گفتگو نہایت خوشگوار فضا میں ہوئی کسی موقعہ پر بھی الحمدللہ ادنی تلخی پیدا نہ ہوئی جب یہ تاریخی مجلس برخاست ہونے لگی تو علامہ عثمانی نے اپنے یہاں آنیوالے علماء کے احترام میں اتنا فرمایا کہ یہ سلسلہ گفتگو آخری سلسلہ نہیں ہے پھر جب چاہیں گفتگو کر سکتے ہیں۔ جانبین کو موقع غور و فکر حاصل ہے اب تک کی صورت حال یہ ہے کہ آپ اپنی جگہ قائم ہیں اور میں اپنی جگہ پر رہا اسکے بعد مجلس برخاست ہو گئی۔ شرعی حیثیت سے مسائل حاضرہ پر جمعیۃ علماء ہند کے وفد کیطرف سے کوئی کلام نہیں ہوا۔ غالباً یہ حضرات یہ سمجھ کر آئے تھے کہ علامہ عثمانی کی سیاسی معلومات کم ہونگی۔ تو ہم اپنے بیان کردہ واقعات سے علامہ موصوف کی رائے کو متاثر کر دینگے۔ شرعی حیثیت سے گفتگو کو تو مولانا حفظ الرحمن صاحب پہلے ہی کہہ چکے تھے۔ کہ اس پر ہم آپ سے کیا بحث کرتے۔ لیکن اس مکالمہ سے غالباً انپر یہ حقیقت بھی روشن ہو گئی ہوگی کہ علامہ عثمانی کی معلومات شرعیہ بے پناہ ہیں۔ وہاں سیاسی حذاقت بھی کچھ اس سے کم نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ علامہ عثمانی نے مسئلہ پاکستان کو اپنی گفتگو میں اس طرح سے منقح کیا، کہ جو لوگ سیاسی ہیں جب اس مکالمہ کو سنتے ہیں تو وہ خود بھی تنقیح مسئلہ کے انداز پر عش عش کرتے ہیں۔ مرتب) یہ مکالمہ مصدقہ حضرت علامہ عثمانی کا ہے۔

گذارش۔ علامہ عثمانی نے جسطرح گفتگو فرمائی اسی طرح قلمبند کر لیگئی اور مزید احتیاط یہ کی گئی کہ مسودہ صاف کر کے علامہ عثمانی کو دکھلا لیا گیا۔

ملنے کا پتہ:۔ حافظ شریف حسین و حافظ جمیل حسین مطبع رحمانی پریس محلہ گڑھیہ دہلی۔
یہ حق بک ڈپو اردو بازار دہلی سے بھی یہ کتاب مل سکتی ہے